مولانا صادق حسن عقیل
ندائے فرقان۔ بنگلور

قرآن کے تاریخی حقائق اور جدید تحقیقات

کشتیٔ نوح

انیسویں (۱۹) صدی کے بعض روشن خیال محققین نے آدم و نوح و ابراہیم اور لوط علیہم السلام کی تاریخی شخصیتوں کا انکار ہی کر دیا تھا۔ اور ان کے واقعات کو مذہبی افسانے کہہ کر قرآن کی تاریخی حیثیت کو ناقابل تسلیم قرار دے دیا تھا مگر خدا کے فضل و کرم سے اس بیسویں صدی سے تحقیق کا رخ برابر بدلتا جا رہا ہے۔ مذہبی حقائق کی تاریخی حیثیت اب ناقابل تسلیم سے چار و ناچار قابلِ تسلیم بنتی جا رہی ہے۔

خصوصاً حضرت نوحؑ کے زمانے کے طوفان کی عمومیت اور ان کی کشتی کے موجود ہونے کے انکشافات قابلِ ملاحظہ ہیں۔

کلامِ ربانی میں کشتیٔ نوح سے متعلق صاف طور پہ بتلایا گیا تھا کہ وَجَعَلْنٰهَا اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (اور ہم نے اس (کشتی) کو اہلِ عالم کے لئے ایک نشانی بنا چھوڑا ——— آج سے چند سال بیشتر تک چونکہ کشتی سے متعلق تفصیلی معلومات سامنے نہ آسکی تھیں اس لئے بعض مفسرین نے جَعَلْنٰهَا کی ضمیر سفینۂ نوح کی جانب لوٹانے کی بجائے ایک محذوف (یعنی لفظ قصّہ یا لفظ عقوبۃ) کی طرف لوٹائی ——— یعنی ہم نے ان کے قصّہ کو یا ان کی سزا کو ایک یادگار بنا دیا۔

اگرچہ بعض تفسیروں میں اس بات کا بھی تذکرہ ہے کہ جبالِ موصل میں بعض لوگوں نے اسے دیکھا بھی تھا۔ مگر کس نے دیکھا اور کہاں دیکھا۔؟ پھر کیا کیا تحقیقات کی گئیں، اس کی کوئی تفصیل ہمیں قطعاً نہیں ملتی۔ بلکہ بعض تفاسیر میں تو اسے ضعیف قول کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ مگر اب ساری بات کھل کر سامنے آچکی ہے۔ پہلے تو فرانسیسی محقق فرے نینڈ ناوّرا (FERENAND NAVARRA) کے ذریعہ ہوئی۔ انہیں کوہِ اراراط پر ایک لکڑی شاہ بلوط کی جس کی جسامت $\frac{5 \times 5}{15}$ تھی اور اس کا وزن 50 پونڈ تھا دستیاب

ہوئی۔ لکڑی کی عمر کا اندازہ 5 ہزار سال کا لگایا گیا، جو حضرت نوحؑ کا عین زمانہ ہے۔ لیکن خدا کے فضل سے اب پوری کشتی کا ہی سراغ لگ چکا ہے۔

روسی ہوا باز ولاڈ میر روسکووسکی نے آرمینیا کے پہاڑ کی چوٹی پر ایک بڑی چیز دیکھی جس کے انوکھے پن نے اُسے نیچے اترنے پر مجبور کر دیا۔ جہاز سے جب وہ اترا تو وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ کہ ایک بہت بڑی کشتی منجمد برف میں پھنسی ہوئی تھی۔ جہاز کے ذمہ دار کو بھی بلا لیا گیا اس نے جب دیکھا کہ ایک بہت بڑی کشتی ایک دشوار گزار اور بلند پہاڑ پر (جہاں کسی بھی انسان کی آمد و رفت کا نشان نہیں ہے۔) موجود ہے تو بے ساختہ اس کی زبان سے نکل گیا:

"مجھے تو یہ وہی کشتی معلوم ہوتی ہے جو مذہبی کتابوں میں "کشتیٔ نوحؑ" کے نام سے مشہور ہے۔"

پھر یہ لوگ واپس ہو گئے۔ اس کے بعد دو فوجی دستے چند محققین کے ساتھ آئے۔ بڑی مشکل سے کشتی کے اندر نیچے موجود کمروں کی پیمائش بھی انہوں نے کی۔ دیکھا کہ کئی کمرے مختلف انداز پر بنے ہوئے ہیں۔ ان میں بعض کمرے بہت بڑے تھے جو ہاتھی کے قابل ہو سکتے تھے۔ بعض بہت اونچے تھے جو اونٹ کے رہنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔

اس جماعت کے واپس ہو جانے کے بعد ایک تیسری جماعت تُرک احباب کی پہنچی، ان کے بیان کے مطابق جس کا طول و عرض $\frac{300 \times 50}{30}$ ہے۔ جس کے باہر کے حصہ پر تارکول (ڈامبر) جیسا کوئی مادہ لگایا گیا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے، کہ ۱۸۸۲ء کے ایک زلزلہ میں اصلی جگہ سے ہٹ کر موجودہ گڑھے میں آرہی ہے۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ جبل وام (VAM) کے جنوب مغرب میں جو پہاڑی سلسلہ ارارط کا چلا ہے۔ اسی کی ایک چوٹی کا نام "جودی" ہے۔ اسی لفظ جودی کا تذکرہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ قدیم تورات میں بھی یہی لفظ تھا۔ سریانی و کلدانی زبان کی تورات میں بھی اب تک یہی لفظ ہے۔ مگر دوسرے موجودہ تراجم میں لفظ ارارط ہے، جودی کا نام نہیں ہے۔ جو بعض کم فہم احباب کے لئے باعث اشکال تھا کہ تمہارے قرآن میں یہ لفظ جودی کہاں سے آگیا؟ خدا کا فضل ارارط اور جودی کی تحقیق بھی سامنے آچکی ہے۔

نیز اس بات کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ آج کل کی سائنس میں علم طبقات الارض میں ایک مستقل شعبہ طوفانِ نوح سے متعلق قائم کر دیا گیا ہے جسے (DELAGE GEDAGY) کہا جاتا

ہے۔ خصوصاً دنیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ سائنس دانوں کا ایک وفد جب قطب شمالی کی سیاحت پر روانہ ہوا تو اُسے اس سفر میں اس قدر سائنٹفک انکشافات حاصل ہوئے کہ شمالی روس کے علاقہ سائبیریا میں ایک مستقل تحقیقاتی ادارہ بنام "فلسفۂ کہر دائمی کا ادارۂ تحقیقات" قائم کردیا گیا جس نے طوفانِ نوح سے متعلق ایسے ایسے انکشافات کئے ہیں اور ایسے عمدہ قسم کے استدلالات کئے ہیں جو دیکھنے اور سمجھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے ذریعہ آپ کو جدید معیارِ تحقیق و تنقید کا بھی ہلکا سا اندازہ ہوسکتا ہے۔

مذکورہ اکیڈمی کے انچارج پروفیسر گریازنوف (GRYAZNOY) نے حال ہی میں کوہ التائی کے دامن کو اپنا تحقیقاتی مرکز قرار دیکر برف کے منجمد ٹیلوں کی کھدائی شروع کی تو تقریباً پچاس قدم کی کھدائی کے بعد گھوڑوں کا ایک اصطبل خانہ نمودار ہوا جو لکڑی کی چھت کا تھا۔ اس کے اندر دس گھوڑے صحیح وسالم مگر برف میں ٹھٹھرے ہوئے بے حس وحرکت کھڑے ہوئے تھے۔ پتہ نہیں کب انہیں پیغامِ اجل ملا تھا۔ مگر تمام اعضاء حیرتناک حد تک درست اور محفوظ تھے۔ زین کسی ہوئی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مالکوں کو ہونے والے کسی شدید برف باری یا طوفان کا اندازہ ہوگیا تھا۔ وہ اپنے ان گھوڑوں پر سوار ہو کر کسی محفوظ مقام کی تلاش میں نکلنے کا منصوبہ بنا ہی رہے تھے کہ برف باری میں پھنس کر رہ گئے۔ اس وقت دریافت شدہ گھوڑوں کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں اور ان کے معدوں میں نیم ہضم غذا بھی موجود ہے۔ زین کا چمڑہ عمدہ ہے اور رکابوں پر معمولی قسم کا سنہرا کام بھی کیا ہوا ہے۔ قیاس ہے کہ قرب وجوار میں کہیں ان کے مالکوں کا بھی سراغ لگ جائے گا۔

بہرحال اس عجیب وغریب انکشاف سے علمی دنیا میں ایک ہلچل سی مچ گئی اور مختلف قیاس آرائیاں ہونے لگیں۔ کچھ لوگ نظریۂ طوفانِ نوح کی صداقت اس انکشاف سے کرنے لگے اور بعض احباب نے اس نظریہ کا انکار کرتے ہوئے یہ توجیہ کی کہ وہ ڈھانچے درحقیقت منطقۂ منجمدہ کے جانوروں کے ہیں جو اپنی غذا کی تلاش میں نسبۃً سرد تر علاقوں کی جانب نکل گئے اور برف باری کا شکار ہوگئے۔

اس معاملے میں ان لوگوں نے جو کچھ کہا ہے اس میں سب سے بڑی دلیل یہ دی گئی ہے کہ جن حیوانات کے ڈھانچے اب تک وہاں مل سکے ہیں ان میں قدیم زمانے کا ہاتھی بھی ہے۔ اور ہاتھی میں تیرنے کی غیر معمولی صلاحیت ہوتی ہے۔ خصوصاً ہاتھی کی لاش جوں جوں سڑ کر پھولنے

لگتی ہے۔ اسی قدر وہ سطح آب پر تیرنے کے لئے زیادہ موزوں ہو جاتی ہے۔ کئی کئی آدمی بیک وقت اس پر سوار ہو کر دریا پار کر جاتے ہیں۔ لہذا یہ کہنا کہاں تک درست ہو سکتا ہے۔ کہ یہ ڈھانچے ان جانوروں کے ہیں جو طوفان نوح میں غرقاب ہو گئے تھے۔ کیونکہ اگر واقعتہً زبردست طوفان کا حادثہ ہوا تھا تو زندہ و مردہ سبھی ہاتھی سیلاب میں بہہ کر سینکڑوں میل آگے نکل جاتے اور خشک علاقوں میں گل سڑ کر ختم ہو جاتے۔ پھر وہ سائبریا کے علاقے میں دستیاب کیسے ہو گئے۔ ؟

یہ تھی وہ دلیل جو ان کے پاس زیادہ وزنی سمجھی گئی تھی اور اس کو بنیاد بنا کر واقعہ طوفان نوح کی وہ بدستور تکذیب کرتے رہے لیکن ان کے خیالات کی سب سے پہلے تردید ڈاکٹر نیویل (DR. H.H. NEVVILLE) نے کی۔ انہوں نے ان جانوروں کا پوسٹ مارٹم کرنے کے بعد یہ ثابت کیا کہ سائبیریا کے برفستانوں میں جو ڈھانچے برآمد ہوتے ہیں وہ منطقہ معتدل کے ہیں۔ وہ منطقہ منجمد کے ہو نہیں سکتے۔

۱۔ کیونکہ ان کے اجسام میں ایک طرف پسینہ کے وہ غدود موجود ہیں جو منطقۂ منجمد کے جانوروں میں پائے نہیں جا سکتے۔

۲۔ دوسری جانب ان کی جلدوں پر ایسے گھنے بالوں کا قطعاً کوئی نشان نہیں ہے جن کا منطقۂ منجمد کے جانوروں پر ہونا از حد ضروری ہے۔

ڈاکٹر جیمس اور ان کے چند ہم خیال احباب نے مزید تحقیقات کے بعد چند اور دلائل بھی فراہم کئے ہیں۔

۳۔ ان کا کہنا ہے کہ ان جانوروں کے معدہ سے جو دانہ چارہ نکلا ہے اس کا تعلق منطقۂ معتدل کی پیداوار سے ہے۔ لہذا یہ قرین قیاس ہے کہ وہ خوفناک عالمگیر طوفان میں بہتے ہوئے منطقۂ معتدل سے منطقۂ منجمد تک پہنچ کر برف کے تودوں میں دب کر رہ گئے۔

۴۔ طوفان نوح کے منکروں کا کہنا یہ تھا کہ یہ ڈھانچے ان جانوروں کے ہیں جو منطقۂ منجمد میں تھے۔ اور تلاش غذا میں یہاں تک پہنچ گئے ـــــ لیکن ان سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ جب ہندوستان جیسے ملک میں (جو ہاتھیوں کی نشو و نما کے لئے بے نظیر ہے۔) نسبتاً چھوٹے قد کے ہاتھی ہوتے ہیں۔ تو پھر کس طرح یہ مان لیا جائے کہ ایک خالص برفستانی علاقے میں اس قدر عظیم الجثہ جانور پایا جائے جو ہندوستان کے ہاتھیوں سے بھی اپنی جسامت میں دو گنے ہوں۔ ؟ ـــــ لہذا ماہرین طبقات الارض کو اس نظریئے کو ماننے بغیر چارہ نہیں کہ دنیا کی آب و ہوا میں طوفان نوح کے بعد زبردست تغیر و تبدل

ہوا ہے۔ جس کے بعد ہی منطقۂ منجمد بھی موجود ہو سکا ہے۔ اس سے پہلے منطقۂ منجمد کا کوئی پتہ نہ تھا۔

۵۔ تھوڑی دیر کے لئے نظریۂ طوفان کے منکرین واقعۂ طوفان کو مانتے ہوئے یہ دوسرا اعتراض اگر پیش کر دیں کہ یہ ہاتھی تیر کر بہت دور کیوں نہ نکل گئے؟ تو ہم جواب میں یہ کہیں گے کہ موجودہ ہاتھیوں کے برخلاف دستیاب شدہ ہاتھیوں کی ہڈیاں ٹھوس اور وزن دار ہونے کی بجائے اسفنجی ساخت کی ہیں جس سے ان میں زیادہ دور تک تیرنے کی صلاحیت نہیں رہ سکتی۔

۶۔ ان منکرین کی یہ دلیل بھی آخر کتنی کمزور ہے کہ منطقۂ منجمد کے جانور اپنی غذا کی تلاش میں مقابلۃً زیادہ سرد علاقوں کیطرف نکل گئے۔ اگر جانوروں کی طبیعت میں یہ رجحان پایا جاتا کہ غذا کی تلاش زیادہ سرد مقامات پر پہنچ کر کرنی چاہیئے تو اس کا سلسلہ آج بھی جاری رہنا چاہیئے تھا۔ حالانکہ یہ خلاف واقعہ اور محتاج ثبوت ہے۔

۷۔ دستیاب شدہ ڈھانچے زمین کی کافی گہرائی سے برآمد ہوئے ہیں جن پر خشک شدہ کیچڑ اور گھونگھوں وغیرہ کی تہ چڑھی ہوئی ہے۔ اس سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ یہ جانور سیلاب سے پیدا ہونے والی دلدل میں دھنس کر ہلاک ہوئے ہیں جن پر برفانی کفن چڑھ گیا یا برف کے تودے ان کے لئے تابوت و مقبرہ بن گئے اور ان "سرد خانوں" میں ان کے جسم محفوظ رہ گئے۔ محض برف سے یہ دب گئے ہوتے تو کیچڑ اور گھونگھوں کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے؟

۸۔ برآمد شدہ جانوروں کے سروں کے اندر خون کی نالیوں میں امتلاء کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ اور وہ تمام آثار و علامات پائے جاتے ہیں۔ جو غرقابی کی شکل میں پیدا ہو سکتے ہیں۔

۹۔ تمام ہی اجسام برف اور تاریکی میں پوری طرح محفوظ ہو جایا کرتے ہیں زمانہ ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ (جیساکہ کوہ الطائی پر دستیاب شدہ گھوڑوں کا تذکرہ گذر چکا) مگر سائبیریا کے بعض برفانی علاقوں ہی میں قدیم جانوروں کے ایسے ڈھانچے بھی برآمد ہوئے جو شکستہ حالت میں ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ان جانوروں کے ڈھانچے ہیں جو خشک علاقوں کے ہیں ان کی موت برف باری سے نہیں ہوئی مردہ جانوروں کے یہ ڈھانچے خشک علاقوں سے سیلاب میں بہہ کر آگئے اور یہاں دفن ہو گئے۔

۱۰۔ ایک سائبیریا ہی نہیں شمالی امریکہ اور قطب شمالی کے بہت سارے منجمد علاقوں میں اور ہمالیہ وغیرہ کی چوٹیوں پر غیر علاقوں کے بڑے بڑے جانوروں کے ایسے ڈھانچے برآمد ہوتے رہتے ہیں جن کی عمدہ توجیہ طوفانِ نوح کے عالمگیر سیلاب ہی سے کی جا سکتی ہے۔

■■